خوشامد پسندی اور محاسبۂ نفس

غلام سرور قریشی عباس پورہ

خودستائی دراصل خودفریبی ہے۔ یہ ایک ایسا مہلک مرض ہے جو انسانی سیرت و کردار کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ محاسبۂ نفس جو انسان کو دنیا و عقبیٰ میں فائز المرام کرتا ہے، خودستائی اسے پنپنے کا موقع ہی نہیں دیتی۔ خودفریبی دراصل خوشامد پسندی ہی کا دوسرا نام ہے۔ انسان کی بڑی کمزوری اس کی اپنی ذات ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جس طرح دنیوی وسائل پر اس کا قبضہ ضروری ہے، اسی طرح اخلاقی محاسن پر بھی اسے غلبہ حاصل ہو، وہ نہ صرف امیر ہو بلکہ ذہین و فطین اور حسین بھی ہو۔ اگر تو اسے یہ سب کچھ حاصل ہو تو وہ رعونت پسند ہو جاتا ہے اور اپنی ذات کو ہر قسم کی کمزوریوں سے مبرا خیال کرنے لگ جاتا ہے اور دوسروں پر اپنے تفاخر کا اثر ڈالنے کیلئے ایسا رویہ اختیار کرتا ہے جس سے دوسروں کی تذلیل و تحقیر ہوتی ہے۔ علمائے اخلاق اس خصلت کو تکبر کہتے ہیں چونکہ تکبر سے انسان اپنے ہی ہم جنسوں کو ذلیل، رذیل اور کمینہ سمجھنے لگ جاتا ہے جس کے اثر سے معاشرے میں نفرت و کینہ کے جذبات کو ہوا ملتی ہے، اس لئے اسلام نے تکبر کو شرک کے درجہ کا گناہ کہا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان ذہین و فطین اور عقیل و شکیل نہ ہو مگر چاہتا ہو کہ کسی طرح یہ اوصاف اس میں آ جائیں۔ اگر تو واقعی ایسا ہی ہوتا تو ایک بات تھی مگر جب معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے تو اس کی یہ خواہش اسکے ہر ہر عمل سے جھلکنے لگتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اس کے آس پاس کے لوگوں کو اس کی اس ادنیٰ خواہش کا علم ہو جاتا ہے اور معقول لوگ اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ لیکن چند ہوشیار لوگ اس کی اس خواہش کی تسکین کرنے کیلئے اس کی جھوٹی تعریفیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہ لوگ خوشامدی کہلاتے ہیں۔ خوشامدی کو اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھوٹی تعریف کر رہا ہے مگر اس کے بھی اپنے مقاصد ہوتے ہیں۔ وہ دراصل خوشامد پسند شخص کی خواہش کا استحصال کرتا ہے۔ خوشامد پسند اپنی خواہش کے مطابق بہادر، لائق، عقیل و شکیل ہونے کا ذکر جب خوشامدی کی زبان سے سنتا ہے تو اسے ایک گونہ گوں تسکین ہونے لگتی ہے اور وہ عیار خوشامدی پر اپنی دولت نچھاور کرنے لگتا ہے۔ ایسے شخص کے گرد خوشامدیوں کا ایک گروہ جمع ہو

جاتا ہے۔ جدید زمانے میں نالائق و نااہل حکمرانوں کے گرد اہل قلم جمع ہو جاتے ہیں اور اس کے حق میں لکھ لکھ کر اسے خوش کرتے اور بے شمار فائدے اٹھاتے ہیں اور جب وہ اقتدار سے محروم ہو جاتے ہیں تو یہی لوگ ان کی جگہ لینے والے نئے حکمرانوں کی روح سرائی شروع کر دیتے ہیں اور یہ سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے۔

بہادر شاہ ظفر برائے نام بادشاہ تھا۔ اس کی جائیدادیں تک دلی کے ساہوکاروں کے پاس رہن تھیں۔ اندھیر نگری چوپٹ راج تھا، سلطنت و انتظام سلطنت نام کی کوئی شئے اس مسکین کے پاس نہ تھی لیکن استاد ابراہیم ذوق اور غالب جیسے بلند پایہ شعراء اپنے قصائد میں اسے سکندر و دارا سے بڑا بادشاہ کہتے تھے اور انعام و اکرام پاتے اور عیاشی کرتے تھے۔ یوں خوشامدی لوگ ! سے فرصت ہی نہ دیتے تھے کہ وہ کبھی محاسبۂ نفس کرتا، احوال واقعی کا ادراک کرتا اور اصلاح احوال کی تدبیر کرتا اور جب انگریز قابض ہو گئے تو یہی قصیدہ نگار ملکہ برطانیہ کے مدح نگار بن گئے۔

محاسبۂ نفس اپنے وسیع تر مفہوم میں احوال واقعی کا ادراک حاصل کرنا ہے۔ ہر فضول خرچ شخص آخر کو کنگال ہو کر مرتا ہے۔ مگر جیتے جی اپنی اس عادت قبیحہ سے باز نہیں آتا۔ وہ بھی دراصل ایک طرح کی خوشامد پسندی کا شکار ہوتا ہے اور اپنی شاہ خرچیوں کے ذریعے چاہتا ہے کہ لوگوں میں اس کا نام ہو اور وہ بڑا آدمی کہلائے۔ وہ یہ ادراک نہیں کر پاتا کہ اللے تللے میں دولت برباد کرنا، ایک دن اسے قلاش کر دے گا۔ ایسے وقت میں وہی لوگ جو اس کے دستر خوان پر ریزہ چینی کرتے تھے، اس سے سلام دعا کے بھی روادار نہیں ہوتے۔

روسائے علاقہ اپنے ڈیروں پر یا آس پاس کے دیہات میں اپنے اپنے گماشتے مقرر کر رکھتے ہیں۔ یہ ان کے مداح ہوتے ہیں اور علاقوں میں ان کے ''ٹکریل'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ بات بات میں اپنے ممدوح کی شان، سخاوت، عوام دوستی، مہمان نوازی اور سرکاری اثر ورسوخ کے قصے بیان کرتے رہتے ہیں۔ یہ ''ٹکریل'' یا درباری کلاونت اتنے ماہر خوشامدی ہوتے ہیں کہ اپنے آقاؤں کو اپنی چرب زبانی سے کوئی آسمانی مخلوق بنا دیتے ہیں اور جب وہ اپنی حرم سراؤں میں محو استراحت ہوتے ہیں تو یہ ملاقات کیلئے آنے والے عقیدت مندوں کو بتاتے ہیں کہ آقائے ممدوح محو ذکر ہیں۔ یوں آقائے ممدوح کی دھاک لوگوں کے دلوں پر بیٹھ جاتی ہے۔ اسی قسم کے پیشہ ور کاسہ لیس اپنے لسانی ہنر سے اپنے آقاؤں کو آسمان شہرت پر اڑاتے اور لوگوں کی عقیدت مندی کے تخت پر بٹھاتے ہیں۔

رؤسا اور خدا رسیدگی کے دعویدار اپنے مقاصد اسی قسم کے پیشہ وروں کی کاریگری سے حاصل کرتے ہیں۔

محاسبۂ نفس کا حکم قرآن مجید میں بھی دیا گیا ہے ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ایک لمحہ رک کر یہ حساب بھی کرلیا کرو کہ قیامت کے واسطے کیا آگے بھیجا ہے'' ہر آدمی رات کو جب بستر استراحت پر لیٹے تو دن بھر کے کاموں پر نظر کرے اور دیکھے کہ کتنے گناہ اور کتنی نیکیاں کی ہیں۔ کتنی نمازیں پڑھی ہیں، قرآن پاک کی تلاوت کی ہے یا نہیں۔ کتنے جھوٹ بولے اور کتنے گاہکوں کو گھٹیا یا کم مال دے کر پوری قیمت وصول کی ہے۔ سرکاری فرائض کی ادائیگی کی ہے یا نہیں۔ دفتر میں اپنی سیٹ پر بیٹھا اور متعلقہ فائلوں پر کام کیا ہے یا نہیں۔ کتنی رشوت لی؟ اگر ہر بندہ یہ حساب کتاب ہر رات سونے سے پہلے کرے تو وہ رفتہ رفتہ گناہوں سے توبہ کرتا چلا جائے گا۔

خوشامد پسند حضرات اپنا محاسبہ کریں گو کہ اپنی ذات کی تنقید بڑی ہی مشکل ہے۔ سب سے پہلے اخلاق عالیہ کے موضوع پر قرآن و حدیث کی ہدایات کا مطالبہ کرے۔ تنہائی میں بیٹھ کر اپنی ذات پر غور کرے۔ خوشامدی اسے بہادر کہتے ہیں اور وہ بلی سے بھی ڈرتا ہے۔ یہاں سے شروع کرے، تحلیل نفسی کے ماہرین کے پاس جائے اور ان کے مشوروں پر عمل کر کے سب سے پہلے اس ردی خواہش سے چھٹکارا پائے جو اسے اس بات پر اکساتی ہے کہ اپنی ذات میں وہ اوصاف ڈالے جو دراصل اس میں نہیں ہیں۔ ایک شخص جانتا ہے کہ وہ معمولی پڑھا لکھا ہے، بڑی مشکل سے چند سورتیں یاد کر کے پیش امام بنا ہے مگر وہ علامہ کہلانے میں ایک لذت محسوس کرتا ہے۔ ہمارے ہاں بہت سے ایسے لوگ جنہوں نے کبھی کسی ٹیوشن سنٹر میں نوکری کی تھی مگر وہ بقیہ عمر پروفیسر کہلاتے رہے۔ کمپاؤنڈر ڈاکٹر کہلاتے ہیں، حوالدار تھانیدار اور چوکیدار نمبردار کہلوانا پسند کرتے ہیں۔

نام کیا لینا کیوں کہ وہ صاحب فوت ہوگئے ہیں۔ پر سنئے کہ نارووال میں کوئی صاحب بارڈر سکیم کے تحت زمین الاٹ کرا کے آئے اور میجر کہلانے لگے تھے۔ ملنسار و وضعدار، بہت جلد مقامی لوگوں میں گھل مل گئے، طور طریقے فوجی اور گفتگو کے سلیقے سے آگاہ تھے۔ راقم سے بھی علیک سلیک رکھتے تھے، ایک دن کوئی عدالتی فیصلہ مجھ سے پڑھوانے کیلئے لائے۔ فوجی میجر کو انگریزی زبان پر پورا پورا عبور ہوتا ہے۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا آپ میجر ہو کر فیصلہ مجھ سے پڑھوانے آئے ہیں؟ تو فرمانے لگے، میں میجر ضرور ہوں پر حوالدار میجر ہوں۔

علامہ جلال الدین دوانی اپنی شہرہ آفاق کتاب اخلاق جلالی میں لکھتے ہیں: ''جب کسی کو اپنے

کمالات کا احساس ہونے لگ جائے تو وہ شخص تکبر کی پہلی سیڑھی چڑھ جاتا ہے۔'' مثلاً کسی عالم شخص کو جب اپنے علمی تبحر کا احساس ہونے لگے تو وہ تکبر کی راہ پر چل پڑتا ہے اور اسی دن اس میں علم کی طلب ختم ہو جاتی ہے اور اس کا علم گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ بڑا طالب علم ہی بڑا عالم ہوتا ہے۔ تکبر انسان کو کہیں کا نہیں رہنے دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ نسلی یا گروہی تفاخر کے نتیجے میں بڑے بڑے فساد جنم لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں متکبر بھی آتا ہے۔ صفات الٰہیہ کی تاویل ممنوع ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہوں گا کہ بندے کا تکبر، اپنے ہم نسلوں کی تحقیر پر مبنی ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس لئے متکبر نہیں کہ اسے کسی کی تحقیر و تذلیل مقصود ہے بلکہ اس وصفی نام کی ضرورت یہ تھی کہ بندے صرف اس کی کبریائی کا دم بھریں اور آپس میں برابری اور مساوات قائم رکھیں۔ بڑائی صرف اس کیلئے مخصوص کریں اور خود تواضع اختیار کریں۔

تواضع ایک بڑا ہی اعلیٰ وصف ہے اور اگر غور کر کے دیکھیں تو انسانی عظمت کا راز اسی میں ہے۔ بڑائی اپنے منہ میاں مٹھو بننے میں نہیں ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے نام کے ساتھ کبھی علامہ نہیں لکھا۔ حالی اپنی منکسر المزاجی کیلئے مشہور تھے، یہاں تک کہ اپنی کسی کتاب کو اپنی تصنیف نہ کہا بلکہ تالیف قرار دیتے رہے۔ لیکن ان بزرگوار ہستیوں کو خود لوگوں نے علامہ تسلیم کیا۔ بڑائی یہ ہے کہ لوگ آپ کو بڑا کہیں مگر آپ خود عاجزی و انکساری اختیار کریں۔ نبی ﷺ کی عظمتوں کے سامنے ہر عظمت سرنگوں ہے مگر معراج کی رات جب ذات باری تعالیٰ نے پوچھا کہ ان کیلئے کیا تحفہ زمین سے لائے ہیں تو عرض کیا عاجزی!

تواضع دراصل بڑے لوگوں کا زیور ہے۔ غریب تو ویسے ہی عاجز ہے۔ گدا اگر تواضع نہ کرے گا تو کیا کرے گا؟ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

تواضع زِ گردن فرازاں نکوست
گدا، گر تواضع کند خوئے اوست

متکبر شخص کے متعلق جان لینا چاہئے کہ وہ اخلاق عالیہ سے معری ہوتا ہے اور اپنی اس کمی کو محض ہیکڑی اور سینہ زوری سے پورا کرنے کا عزم رکھتا ہے۔ وہ شجاعت و تہور کی صفات نہیں رکھتا مگر چاہتا ہے کہ لوگ اسے بہادر و شجیع کہیں۔ اس لئے ہمیشہ کمزور پر ظلم کرتا ہے۔ وہ سخی نہیں ہوتا مگر ریا کاری کرتے ہوئے کبھی کبھی داد و دہش سے بھی کام لیتا ہے۔ وہ اس حد تک خود پرست ہوتا ہے کہ دوسروں کے مفادات کو بڑی بے دردی سے ذبح کرتا اور اپنا فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اول تو اس کا مرض لاعلاج ہے، ہاں اگر محاسبہ نفس کر سکے تو اپنی تخلیق کو نہایت ہی مہین و حقیر ابتداء پر غور کرے اور صفحہ ہستی پر پھیلے آثار کا مشاہدہ کرے کہ بڑے بڑے

متکبر اور فرعون کس طرح یہاں سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے اور تاریخ میں نفرت کا عنوان بن کر رہ گئے تو شاید اصلاح کی کوئی تدبیر کارگر ہو سکے۔ لیکن اولین متکبر کی طرح کوئی بھی متکبر جیتے جی تکبر و نخوت سے پیچھا نہیں چھڑا سکا۔ شیطان نے آدم کو سجدہ نہ کیا اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سے اس نافرمانی کا سبب پوچھا تو بہت اچھا موقع تھا کہ اعلان کرتا اس سے بھول ہوگئی ہے۔ فوراً معافی مانگتا، توبہ کرتا اور سجدہ کرتا مگر ۔ تکبر

عزازیل را خوار کرد بزندان لعنت گرفتار کرد

شیطان نے اپنی تخلیقی برتری جتا کر دراصل نسلی تفاخر کا ہی اظہار کیا تھا۔ نسلی تفاخر انسانوں کو اس حد تک اندھا کر دیتا ہے کہ وہ نہ صرف دنیا میں اپنے جیسے ہی لوگوں کی تحقیر کرتا ہے بلکہ نہایت حماقت سے کام لیتے ہوئے اس زعم باطل میں پوری زندگی بے عملی بلکہ معصیت میں گزار جاتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس پر جنت کے آٹھوں دروازے کھلے ہوں گے کیونکہ وہ کسی فائق تر نسل سے تعلق رکھتا ہے۔

غرور کی جڑ تو دراصل خودستائی میں ہے۔ نسلی تفاخر اسی کی ایک شاخ ہے۔ خودستا شخص چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی اسی طرح اس کی ذات سے محبت کریں جس طرح وہ خود کرتا ہے، اسے اپنا جسم و جان بہت ہی عزیز ہوتا ہے۔ وہ دن میں کئی کئی بار آئینہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ چلتے پھرتے اپنے سایہ کو بھی دیکھتا ہے۔ اپنی چال میں بھی بانکپن پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر تو یہ حسین رفتار اس کو ودیعت ہو تو الگ بات ہے ورنہ وہ اور اس کا پورا وجود اضحوکہ بن جاتا ہے۔ دنیا میں بے شمار لوگ عزیز جہاں ہو جاتے ہیں مگر وہ خودستا نہیں ہوتے۔ لوگ انہیں مثالی انسان سمجھ کر ان کی تعریف کرتے ہیں اور ان کی سیرت کردار پر، طور اطوار پر، شغل اشغال پر، چال ڈھال اور وضع قطع پر اس قدر فدا ہوتے ہیں کہ انہیں اپنانے کی سعی کرتے ہیں مگر ایسی شخصیات نہ تو خودستا ہوتی ہیں اور نہ ہی انہیں یہ خبر ہوتی ہے کہ وہ بے شمار دلوں میں بستے اور بے شمار نظروں میں جچتے ہیں۔ ان کا سب کچھ اتنا قدرتی ہوتا ہے، اتنا بے ساختہ ہوتا ہے کہ جیسے ان کی فطرت ثانیہ ہو۔ ان کے اوصاف و کمالات میں کوئی تصنع، کوئی بناوٹ اور کوئی ارادہ شامل نہیں ہوتا ہے۔ لیکن متکبر، خودستا اور خود فریب شخص کی پوری شخصیت جھوٹ، ریاکاری اور ظاہرداری پر قائم ہوتی ہے اور حقیقی زندگی کی سچی لذتوں سے کبھی آشنا نہیں ہو پاتا۔ اس کا شوق حکمرانی اسے اس حد تک پستی میں لے جاتا ہے کہ اگر حکم چلانے کیلئے اس کے پاس خادم نہ ہو تو اپنی ماں پر ہی حکم چلا کر اپنے اس جذبہ کی تسکین کر لیتا ہے۔ اسی قسم کے کوتاہ اندیش اور بدبخت متکبر اپنے والدین پر بھی مخدوم بن کر بیٹھ جاتے ہیں اور بے حمیتی و بے شرمی کے تحت اتنے شوخ چشم ہو جاتے ہیں کہ اپنی اس قبیح پالیسی پر نادم بھی نہیں ہوتے۔